''وقار'' کا حقیقی مفہوم
ہمارے تمام کاموں کی بنیاد عقل اور حکمت پر ہونی چاہئے

(فرمودہ ۲؍اکتوبر ۱۹۳۶ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۂ نوح کی ان آیات کی تلاوت کی:-

ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا وَّ يُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِيۡنَ وَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا وَ قَدۡ خَلَقَكُمۡ اَطۡوَارًا اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِيۡهِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَ يُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا لِّتَسۡلُكُوۡا مِنۡهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۔[1]

اس کے بعد فرمایا:-

میں نے گزشتہ خطبہ میں یہ ذکر کیا تھا کہ بعض دوستوں کے اِس فعل پر کہ انہوں نے کاغذ کی ٹوپیاں بنا کر اور ان پر ہائی کورٹ کے فیصلہ کے چند فقرات لکھ کر انہیں اپنے سروں پر پہن رکھا تھا یا بعض نے کوٹ بنوا کر اُس پر اِسی قسم کے بعض فقرات لکھ لئے تھے۔ ایک دوست نے یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ فعل وقار کے خلاف ہے اور ایسی باتیں احمدیوں کو نہیں کرنی چاہئیں۔ اس

اعتراض کا جواب دیتے ہوئے میں نے ایک حصہ کے متعلق اپنے خیالات کا گزشتہ جمعہ کے خطبہ میں ہی اظہار کر دیا تھا لیکن ساتھ ہی اِس خوف کا بھی اظہار کیا تھا کہ ایسا نہ ہو ''وقار'' کے لفظ کے نتیجہ میں جماعت میں سُستی اور غفلت پیدا ہو جائے یا وہ کوئی ایسا طریق اختیار کرے جو احمدیت کے منشاء، اسلام کے منشاء اور قرآن مجید کے منشاء کے خلاف ہو اور اس طرح وہ خدمتِ اسلام اور خدمتِ احمدیت سے محروم ہو جائے اس لئے میں نے گزشتہ جمعہ میں ہی کہا تھا کہ چونکہ آج وقت بہت گزر چکا ہے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی تو میں اگلے خطبہ جمعہ میں اس مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔ سو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اُس کی مدد سے اپنے اِس وعدہ کے مطابق میں آج وقار کے متعلق بعض باتیں بیان کرنی چاہتا ہوں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں قرآن کریم میں **وقار** کا لفظ صرف ایک دفعہ استعمال ہؤا ہے اور وہ استعمال سورۂ نوح کی ان آیات میں ہؤا ہے جن کو ابھی میں نے پڑھا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تعلیم یافتہ لوگ اور امراء اپنے بہت سے کاموں کی بنیاد یا یوں کہو کہ عدمِ عمل کی بنیاد وقار پر رکھا کرتے ہیں اور غرباء اور غیر تعلیم یافتہ لوگ اس لفظ کو بہت کم استعمال کرتے ہیں اور اس لفظ کے کوئی معنے ان کے ذہن میں نہیں ہوتے۔ پس ہمارے ملک میں عام محاورہ کے لحاظ سے یہ لفظ غرباء اور امراء اور تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان ایک حدِّ فاصل ہے۔ جب تم کسی امیر شخص سے ملو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ جب بھی کوئی ایسی بات ہو جو اُس کی طبیعت کے اور اُس کی منشاء کیخلاف ہو وہ فوراً کہہ دے گا یہ کیسی بیہودہ بات ہے یہ تو وقار کے صریح خلاف ہے۔ اسی طرح جب کسی تعلیم یافتہ شخص سے تم ملو تو معمولی گفتگو اور اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے دوران میں ہی تم اُس سے یہ سن لو گے کہ فلاں بات تو وقار کے بالکل خلاف ہے لیکن اس طبقہ کو چھوڑ کر اگر تم غرباء میں چلے جاؤ تو تمہیں اس لفظ کا استعمال بہت کم بلکہ قریباً قریباً مفقود نظر آئے گا۔ وہاں بِالعموم لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ میں یُوں کر دوں گا، میں وُوں کر دوں گا یہ کوئی نہیں کہے گا کہ میں فلاں بات کیوں کروں یہ وقار کے خلاف ہے۔ انہیں اگر کوئی بات ناپسند بھی ہو تو اس کی بُرائی ظاہر کرنے کیلئے وہ یہ نہیں کہیں گے کہ یہ وقار کے خلاف ہے بلکہ وہ اِتنا کہنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ فلاں بات ہم نہیں کر سکتے گویا ہمارے ملکی محاورہ کے مطابق یہ لفظ بہت سا انحصار غریب اور امیر کے

تفرقہ پر رکھتا ہے اور تعلیم اور عدمِ تعلیم کے تفرقہ پر رکھتا ہے لیکن باوجود اس لفظ کے کثیرالاِ ستعمال ہونے کے اگر کسی شخص سے جا کر دریافت کرو کہ یہ وقار کیا چیز ہوتی ہے تو وہ کبھی نہیں بتا سکے گا۔ اب تو میں اس مضمون کو بیان کر رہا ہوں اور اِنْشَاءَ اللّٰہُ وقار کا مفہوم بیان کر ہی دوں گا لیکن اِس سے پہلے اگر اچھے اچھے تعلیم یافتہ اشخاص سے بھی آپ پوچھتے کہ وقار کے کیا معنے ہیں تو وہ ایسے ایسے مضحکہ خیز جواب دیتے کہ آپ سُن کر حیران رہ جاتے۔ جہاں تک میں نے انسانی علم اور انسانی سمجھ کا مطالعہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے انسان کے حالات کا تجربہ ہے اس کے مطابق میں کہہ سکتا ہوں کہ گو قرآن کریم میں یہ لفظ استعمال ہؤا ہے اور میں ابھی ان معنوں کو اِنْشَاءَ اللّٰہُ بیان کر دوں گا جو قرآن کریم کی رو سے ثابت ہیں لیکن ہمارے ملکی محاررہ کے مطابق اور اس لفظ کے عام استعمال کو مدِّنظر رکھتے ہوئے یہ لفظ اُن چند الفاظ میں سے ہے جن میں سے ہر ایک کی نسبت غالب کی اصطلاح کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ

شرمندۂ معنی نہ ہؤا

اس لفظ کے کوئی بھی معنی لوگوں میں نہیں سمجھے جاتے نہ اس لفظ کو استعمال کرنے اور اسے اپنے منہ سے نکالنے والا سمجھتا ہے کہ اس کے کیا معنے ہیں اور نہ اس لفظ سننے والا سمجھتا ہے کہ یہ لفظ کِن معنوں میں استعمال کیا گیا ہے حالانکہ بولنے والے بولتے اور سننے والے سنتے ہیں لیکن نہ بولنے والوں کو خیال آتا ہے کہ وہ غور کریں اس لفظ کے کیا معنے اور کس مفہوم میں وہ یہ لفظ استعمال کر رہے ہیں اور نہ سننے والوں کو یہ خیال آتا ہے کہ وہ اس لفظ کے مفہوم پر غور کریں اور اس کے اصل معنے معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میں وقار کے معنے بیان کروں جن لوگوں کو وقار کا لفظ استعمال کرنے کی عادت ہے میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے دلوں میں سوچیں کہ وقار کے اب تک وہ کیا معنے سمجھتے رہے ہیں۔ اگر وہ سوچیں گے تو انہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس لفظ کے کوئی معنے نہیں سمجھتے تھے گو اس کا استعمال وہ بہت کرتے تھے۔ درحقیقت بعض چیزوں کی طرف توجہ دلانے سے ایک فائدہ ہو جاتا ہے کہ ان کی تشریح ہو جاتی ہے۔ اگر وہ دوست اپنے اعتراض کے دوران میں وقار کا لفظ استعمال نہ کرتے تو شاید مجھے یہ کبھی خیال پیدا نہ ہوتا کہ بہت سے لوگ جانتے ہی نہیں کہ وقار کیا ہوتا ہے اور وہ اس بات کے محتاج ہیں کہ ان کے سامنے وقار کی تشریح کر دی جائے۔

ہر شخص کا اپنا اپنا ذوق ہوتا ہے ممکن ہے ہزاروں علماء قرآن کریم کی ان آیتوں کو پڑھ گئے ہوں اور انہیں کبھی خیال بھی نہ آیا ہو کہ ان میں وقار کا جو لفظ استعمال ہؤا ہے اس کے کیا معنے ہیں مگر قرآن کریم کی جو آیتیں میرے دل میں اس وقت تک کھٹکتی رہیں جب تک کہ خدا تعالیٰ نے ان کا مفہوم مجھ پر نہیں کھولا یا قرآن کریم کی جن آیات کو میں مشکل سمجھتا رہا ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے جو ابھی میں نے پڑھی ہے اور جس میں وقار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ وقار کو جن معنوں میں عام طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں ان معنوں کو جب میں اس آیت پر چسپاں کرتا تو حیران ہو جاتا کہ اس آیت کا مطلب کیا ہؤا کہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا اور خدا کے لئے وقار کا لفظ استعمال کرنے کا مقصد کیا ہے۔ اور میں ہمیشہ اس پر حیران رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے معنی مجھ پر کھول دیئے اور وہ آیت جو پہلے میرے لئے مشکل تھی مجھ پر آسان ہوگئی۔ مگر اس قسم کی آیتیں جن کے معنے ایک عرصہ تک مجھ پر نہیں کھلے صرف چند ہی ہیں ورنہ بِالعموم قرآن کریم خدا تعالیٰ کے فضل سے پہلی نظر میں ہی مجھ پر حل ہو گیا ہے۔ ہاں بعض آیات جو دوسروں کو بظاہر سیدھی سادھی نظر آتی رہی ہیں اور بعض ایسی آیات بھی جو دوسروں کے نزدیک بھی مشکل آیات میں سے ہیں پہلی نظر میں ہی مجھ پر حل نہیں ہوئیں بلکہ زیادہ عرصہ تک مجھے ان پر غور کرنے اور ان کے متعلق توجہ اور دعا کرنے کا موقع ملا ہے تب وہ مجھ پر حل ہوئی ہیں۔ غرض انہی آیات میں سے ایک یہ آیت بھی ہے جو بظاہر سیدھی سادھی نظر آتی ہے شاید اِس آیت کے معنے مجھ سے سن کر یا مجھ سے سننے والے کسی اور عالم سے سن کر لوگوں کو اِس آیت کا مفہوم معلوم کرنے کیلئے مشکلات کا سامنا نہ ہؤا ہو کیونکہ شروع سے ہی ان کے سامنے اس آیت کے معنے آ گئے لیکن میرے لئے ایک عرصہ تک اِس آیت میں وقار کے لفظ کا استعمال حیرت کا موجب رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اصل حقیقت واضح کر دی۔

اللہ تعالیٰ کیلئے وقار کے لفظ کا استعمال اس مفہوم میں جو ہمارے ہاں استعمال ہوتا ہے ایک عجیب بات معلوم ہوتی ہے اور اب بھی اپنے دلوں میں غور کر کے آپ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ عام مفہوم کے مطابق اس لفظ کا استعمال اس جگہ پر عجیب لگتا ہے اور انسان کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا جب تک اسے وقار کے کوئی ایسے معنے نہ بتائے جائیں جو اللہ تعالیٰ پر چسپاں ہو سکیں۔

غرض میں نے مناسب سمجھا کہ اس موقع پر وقار کی حقیقت کو بھی بیان کردوں اور قرآن کریم کی اس آیت کو بھی پیش کردوں جس میں وقار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

میں نے کہا ہے کہ یہ لفظ ہمارے ملک میں شرمندۂ معنی نہیں ہؤا اور اِس کا پتہ اس امر سے بھی لگ سکتا ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے بہادری کا لفظ بولا جائے تو جرأت اور بہادری کا ایک مفہوم فوراً اس کے ذہن میں آجاتا ہے اور وہ خوب سمجھتا ہے کہ بہادری کیا چیز ہوتی ہے گو ممکن ہے وہ بہادری کی تفصیلات اور اس کی باریکیوں کو نہ سمجھتا ہوں لیکن اس لفظ کا ایک مفہوم اُس کے سامنے ضرور آجاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی کے سامنے سچائی کا لفظ بولا جائے تو گو سچائی کی باریک قِسمیں اور صداقت اور راستی کی باریک شِقیں اس کے ذہن میں نہ آئیں مگر سچائی کا ایک موٹا سا نقشہ اُس کے ذہن میں فوراً آجاتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ سچائی کا کیا مفہوم ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کے سامنے امانت کا ذکر کرو تو چاہے وہ امانت کی باریک قِسمیں نہ جانتا ہو خواہ وہ امانت اور دیانت کی اُس تفصیل سے ناآشنا ہو جو قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے پھر بھی اس کا موٹا سا مفہوم اور امانت و دیانت کے موٹے معنے اُس کے ذہن میں ضرور آجاتے ہیں اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ امانت کا لفظ کس مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی طرح اکثر انسانی اخلاق کا حال ہے جب بھی ان میں سے کسی خُلق کا ذکر انسان کے سامنے کیا جائے اس کا کوئی نہ کوئی مفہوم ذہن میں ضرور آجاتا ہے اور وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں مگر جب لوگ وقار کا لفظ بولتے ہیں تو درحقیقت اس کا کوئی مفہوم بھی اس کے ذہن میں نہیں ہوتا بلکہ اگر ہم ذرا گہرے غور سے کام لیں اور وقار کا لفظ عام محاورہ کے مطابق استعمال کریں اور پھر سوچیں کہ ہم نے کس چیز پر وقار کا لفظ استعمال کیا ہے تو ہمیں فوراً معلوم ہوجائے گا کہ وقار کے معنے ہم اتنے ہی سمجھتے ہیں کہ جو چیز ہمیں پسند نہیں آئی۔ گویا جو چیز ہمیں پسند نہ آئے اس کے متعلق ہم کہہ دیتے ہیں کہ وہ وقار کے خلاف ہے لیکن اگر ہمیں پسند ہو تو ہم اسے خلافِ وقار نہیں کہتے۔ گویا وقار کیلئے ہمارے محاورہ کے مطابق اُس فعل کے ہیں جو وقار کا لفظ استعمال کرنے والے کو پسند آئے۔ مگر چونکہ ہر شخص کی طبیعت الگ الگ ہوتی ہے اس لئے افعال کو پسند اور ناپسند کرنے کے متعلق پھر اختلاف پیدا ہوجائے گا حالانکہ دوسرے امور کے متعلق یہ اختلاف ہمیں نظر نہیں آتا۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص سچائی کا پابند نہ ہو، وہ جھوٹ کا عادی ہو اور خلاف واقعہ باتیں لوگوں میں کہتا پھرتا ہو لیکن سچائی کے معنوں میں وہ اختلاف نہیں کرے گا۔ فرض کرو اس نے کسی کو مارا پیٹا ہے اور اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تم نے فلاں شخص کو مارا؟ اس کے جواب میں ممکن ہے وہ کہہ دے مجھے خدا کی قسم! میں تو وہاں پر موجود ہی نہ تھا مجھے تو علم ہی نہیں کہ کیا واقعہ ہؤا۔ میری تو اس سے کوئی دشمنی اور عداوت ہی نہیں کہ مجھے اُسے پیٹنے کی ضرورت ہوتی۔ اب وہ جھوٹ تو بول رہا ہوتا ہے مگر اِس حالت میں بھی وہ سچ کے معنے سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ سچ کسے کہتے ہیں اور جھوٹ کسے۔ اور یہ تعریف مشرق سے لے کر مغرب تک سب لوگ یکساں طور پر جانتے ہیں۔ ایک انگریز سے پوچھو کہ سچ کے کیا معنے ہیں تو وہ یہی جواب دے گا کہ کسی امر کو وقوعہ کے مطابق بیان کرنے یا سمجھنے کو سچ کہتے ہیں، ایک جرمن کے پاس چلے جاؤ وہ بھی یہی جواب دے گا، ایک تُرک کے پاس چلے جاؤ وہ بھی یہی جواب دے گا، ایک عرب کے پاس چلے جاؤ وہ بھی یہی جواب دے گا، ایک ایرانی سے پوچھ دیکھو وہ بھی سچ کی یہی تعریف بتائے گا، ایک افغانی سے دریافت کرو وہ بھی سچ کی یہی تعریف بتائے گا، ایک ہندوستانی سے پوچھو وہ بھی اسی تعریف کا قائل نظر آئے گا، پھر چین کی طرف نکل جاؤ، جاپان کی طرف چلے جاؤ، امریکہ کے لوگوں کے پاس پہنچ جاؤ وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ سچ اسے کہتے ہیں کہ کوئی بات خلافِ واقعہ نہ بیان کی جائے مگر وقار کے متعلق لوگوں سے پوچھ دیکھو تو اِس کی تعریف میں سینکڑوں جگہ اختلاف نظر آ جائے گا۔ ایک کہے گا فلاں بات تو بالکل وقار کے خلاف ہے اور دوسرا کہہ رہا ہوگا کہ یہ بات کہاں وقار کے خلاف ہے اس میں تو کوئی حرج نہیں لیکن سچ کے متعلق اس قسم کا اختلاف نہیں ہوسکتا۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کہے جھوٹ کے بغیر دنیا میں گزارہ نہیں ہوسکتا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کہے ہر شخص دنیا میں اپنا فائدہ چاہتا ہے جب میرا فائدہ جھوٹ بولنے میں ہے تو میں کیوں سچ بولوں مگر یہ کہ سچ کس کو کہتے ہیں اور جھوٹ کس کو اس میں اختلاف نہیں ہوگا۔ گویا سچ کے موٹے معنوں میں کوئی شخص اختلاف نہیں کرسکتا گو باریک اور تفصیلی امور میں اختلاف ہو جاتا ہے مگر وقار کے متعلق قدم قدم پر لوگوں میں اختلاف نظر آ جائے گا۔ ایک مالدار شخص جو پورا لباس پہننے کا عادی ہے اور جس کے جسم کے ہر حصہ پر کوئی نہ کوئی چیز موجود ہوتی ہے اگر وہ کسی دن کُرتہ اُتار کر بازار چلا جاتا ہے تو اس کے

ہم خیال لوگ کہیں گے اس نے وقار کے خلاف فعل کیا ۔ فرض کر وکوئی ڈپٹی کمشنر ہے یا ای۔اے۔سی ہے یا فوج کا کپتان ہے وہ اگر کسی دن پاجامہ اُتار کر اور ایک معمولی لنگوٹ باندھ کر بازار میں پھرنے لگ جاتا ہے تو اُس کے دوست اور احباب سب کہنے لگ جائیں گے کہ یہ کیسا وقار کے خلاف فعل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم دیکھیں گے کہ ایک زمیندار بھی اسی بازار میں پھر رہا ہے اس نے بھی ایک لنگوٹ باندھا ہوا ہے بلکہ اس نے کُرتہ بھی اُتارا ہوا ہے مگر اس کے دوست اسے دیکھ کر یہ نہیں کہتے کہ یہ فعل وقار کے خلاف ہے یہ بازار میں اس طرح کیوں پھر رہا ہے بلکہ وہ اس فعل کو بالکل جائز اور درست سمجھتے ہیں ۔ پس دونوں جگہ لنگوٹ ہیں لیکن ایک کے لنگوٹ باندھنے کو خلافِ وقار کہا جاتا ہے اور دوسرے کے لنگوٹ باندھنے کو خلافِ وقار نہیں کہا جاتا ہاں اگر وہ زمیندار جس نے لنگوٹ باندھا ہوا ہے اگر اپنا لنگوٹ بھی اُتار دیتا ہے تو اُس وقت اُس زمیندار کے ساتھی بھی اسے کہیں گے کہ یہ کیسی خلافِ وقار بات ہے بشرطیکہ انہیں وقار کا لفظ آتا ہو اور اگر وقار کا لفظ نہ آتا ہو تو وہ کہیں گے یہ فعل ہمیں ناپسند ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان پردہ دار عورت جو اپنی سوسائٹی میں جہاں پردہ کیا جاتا ہے اور برقع کو استعمال کیا جاتا ہے ہمیشہ پردہ کرتی ہے اگر باہر جاتے ہوئے کسی وقت برقع کی نقاب اُٹھا دیتی ہے تو ساری عورتیں اُسے دیکھ کر کہیں گی یہ بات وقار کے بالکل خلاف ہے لیکن ایک زمیندار عورت جو برقع بنوا نہیں سکتی اور جو اپنے حالات کے لحاظ سے برقع پہن نہیں سکتی اگر صرف گھونگھٹ نکالے پھر رہی ہوتی ہے تو اُس کے اِرد گرد بیٹھنے والی عورتوں کے ذہن میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ بات وقار کے خلاف ہے۔ ہاں اگر وہی عورت کسی وقت گھونگھٹ بھی اُتار دے اور ننگے سر پھرنے لگ جائے تو اگر ان عورتوں کو وقار کے لفظ کا علم ہو تو وہ سب کہیں گی یہ کیسی وقار کے خلاف بات ہے۔ اب ایک باپردہ عورت کیلئے صرف نقاب کا اُٹھا دینا وقار کے خلاف ہے اور ایک زمیندار عورت کیلئے بے نقاب ہونا وقار کے عین مطابق ہے، ہاں اگر وہ گھونگھٹ بھی اُتار دیتی ہے اور ننگے سر پھرنے لگتی ہے تو یہ فعل وقار کے خلاف ہو جاتا ہے۔ یا ایک دولت مند آدمی اگر کسی دن بغیر بوٹ پہنے ننگے پاؤں بازار میں چلا جاتا ہے تو اُس کے سب دوست اور احباب کہیں گے اتنا عقلمند اور متموّل ہو کر اِس نے کیسا خلافِ وقار فعل کیا۔ لیکن اسی بازار اور اسی گلی میں بیسیوں غرباء ننگے پاؤں پھرتے نظر آئیں گے اور وہ ایسے

ہوں گے کہ سالہا سال سے انہیں جوتی میسر نہیں آئی ہوگی مگر انہیں کوئی نہیں کہے گا کہ ان کا یہ فعل وقار کے خلاف ہے۔ یا ایک معزز اور ذی ثروت آدمی جو اپنی روزی کمانے کی فکر سے بے نیاز ہے اور دوسرے کا محتاج نہیں وہ اگر بازار میں بیٹھ کر نمک کُوٹنے لگ جاتا ہے، یا تمبا کو کُوٹنے لگ جاتا ہے، یا مرچیں کُوٹنے لگ جاتا ہے تو سارے دوست اسے دیکھ دیکھ کر مسکرائیں گے اور کہیں گے اس کے دماغ میں نقص ہو گیا ہے اور اگر نقص نہ ہوتا تو یہ ایسا خلافِ وقار کام سر بازار کیوں کرتا۔ مگر اسی بازار میں ایک چھوٹا دکاندار تمباکو بھی کُوٹتا ہے، نمک بھی کُوٹتا ہے، مرچیں بھی کُوٹتا ہے مگر اس کے ساتھی اس کے پاس مشورہ کیلئے آتے رہتے ہیں اور وہ کبھی نہیں کہتے کہ تو وقار کے خلاف کام کر رہا ہے بلکہ وہ اسے ویسا ہی معزز سمجھتے ہیں جیسے پہلے سمجھتے تھے اور ویسا ہی مؤقّر سمجھتے ہیں جیسے پہلے سمجھتے تھے۔ ان کے دلوں میں اس کا احترام بھی ہوتا ہے اگر وہ اعلیٰ اخلاق والا ہو تو اس کی عظمت بھی ہوتی ہے۔ وہ اس سے باتیں بھی کرتے ہیں اہم امور میں اس سے مشورے بھی لیتے ہیں مگر کبھی ان کے ذہن میں یہ نہیں آتا کہ اس کے یہ کام وقار کے خلاف ہیں۔

پس ہمارے ملک میں وقار ایسے فعل، ایسے امر، ایسی بات کو کہا جاتا ہے جو وقار کا لفظ استعمال کرنے والے کی عادت کے خلاف ہو مگر کیا ساری ہی عادتیں اچھی ہوتی ہیں؟ اور کیا وہ ساری باتیں جنہیں وقار سمجھا جاتا ہے اخلاق اور دین کیلئے مُمِدّ ہوتی ہیں؟ اور کیا ان میں سے بیسیوں نہیں سینکڑوں باتیں دین کیلئے مُضِر نہیں ہوتیں؟ پھر اگر ہم ان کو چھوڑ دیں تو کیا ساری سوسائٹی یہ نہیں کہے گی کہ یہ بات وقار کے خلاف ہے؟ مگر کیا وہ بُری زندگی بہتر ہے جو ان لوگوں کی نگاہ میں وقار کے خلاف نہیں یا وہ اچھی زندگی بہتر ہے جو گو لوگوں کی نگاہ میں وقار کے خلاف ہے مگر خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وقار کے خلاف نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ وقار کو ان معنوں میں نہیں لیتا جن معنوں میں عام لوگ اسے استعمال کرتے ہیں بلکہ وہ وقار کا لفظ ان معنوں میں لیتا ہے جن معنوں میں قرآن مجید نے اسے استعمال کیا ہے۔

پس جب ہمارے اس دوست نے لکھا کہ نیشنل لیگ کے والنٹیئرز کا یہ فعل کہ انہوں نے اپنے سروں پر کاغذ کی ٹوپیاں پہن رکھی ہیں جن پر ہائیکورٹ کے فیصلہ کے چند فقرات لکھے ہوئے ہیں وقار کے خلاف ہے تو اس کے صرف اتنے ہی معنے تھے کہ یہ بات میری عادت کے خلاف ہے

اور چونکہ میں ایسی ٹوپی اپنے سر پر رکھنا پسند نہیں کرتا اس لئے میں نہیں چاہتا کہ کوئی اور بھی ایسی ٹوپی سر پر رکھے۔ اب وہی کوٹ جس پر ہائی کورٹ کے فیصلہ کے فقرات لکھے گئے ہیں اس دوست کو تو وقار کے خلاف نظر آیا لیکن حضرت باوا نانک صاحب کو ایسا کوٹ وقار کے خلاف نظر نہیں آیا۔ وہ ایک بزرگ انسان تھے، ایک قوم کے لیڈر تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے اس فعل سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا ہے اور حضرت باوا نانک صاحب کے چولہ کا حوالہ دے کر ان کے اخلاص کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ ایسے مخلص تھے کہ جگہ بجگہ وہ ایسا کوٹ پہنے پھرتے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کی واحدانیت لکھی ہوئی تھی۔ تو حضرت باوا نانک صاحب کو یہ چیز وقار کے عین مطابق نظر آئی لیکن ہمارے اس دوست کو یہ بات وقار کے خلاف دکھائی دی اس لئے کہ اس دوست کی آنکھ ایسی بات دیکھنے کی عادی نہ تھی اور حضرت باوا نانک صاحب کا نفس ایسی باتوں کے برداشت کرنے کا عادی تھا۔ حضرت باوا نانک صاحب نے سمجھا کہ میں تو لوگوں کی ہدایت چاہتا ہوں اگر اس چولہ کے ذریعہ ہی انہیں ہدایت مل سکتی ہے تو میرا اس میں کیا حرج ہے کہ میں اسے پہنے پھروں۔ پس انہوں نے اسے عین وقار سمجھا لیکن یہی فعل اِس زمانہ میں کیا گیا تو اِس دوست کو وقار کے خلاف معلوم ہوا۔ تو دراصل وقار کے وہ معنے درست نہیں ہیں جو عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ وقار کے کچھ اور معنے ہیں۔ اور عقلاً بھی جس بات کی ہم سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہم میں ہونی چاہیئے اس کا کوئی مفہوم ہونا چاہیئے اور مفہوم بھی ایسا جو مستقل ہو یعنی اصولی لحاظ سے وہ تبدیل نہ ہو گو تفصیلات میں اس کا مفہوم بدل بھی سکتا ہے جیسے نماز ہے۔ اصولی رنگ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ نماز اسے کہتے ہیں اور نماز اس طرح پڑھنی چاہیئے۔ اب جو تندرست ہو وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے، جو بیمار ہو وہ بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے، جو زیادہ بیمار ہو وہ لیٹ کر پڑھ سکتا ہے اور جو اور زیادہ بیمار ہو وہ دل میں ہی پڑھ سکتا ہے، پھر جنگ کی حالت میں گھوڑے کی پیٹھ پر ہی انسان نماز پڑھ سکتا ہے خواہ اس گھوڑے کا منہ کسی طرف بھی ہو جائے یا کشتی میں انسان نماز پڑھتا ہے تو خواہ کشتی کسی رُخ چلتی چلی جائے پڑھنے والے کی نماز ہوتی جائے گی۔ تو شکل کے بدل جانے میں کوئی حرج نہیں ہاں اصول ایک ہونا چاہیئے۔

پس ہمیں وقار کے ایسے معنے معلوم کرنے چاہئیں جن معنوں کی رو سے ہم ایسے محفوظ اور

مصئون ہو جائیں کہ ہمارا کوئی کام خدا تعالیٰ کی نظر میں بے وقار نہ ہو اور نہ ہمارا کوئی فعل ہمیں کسی نیکی سے محروم کر دے۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہمارے ملک میں عام طور پر عادت کا نام وقار رکھا جاتا ہے اور ہماری عادت کے خلاف اگر کوئی شخص بات کرے تو ہم کہہ دیتے ہیں یہ وقار کے خلاف ہے مثلاً انگریز پکنک کے موقع پر بعض دفعہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھالیا کرتے ہیں لیکن اس کے علاوہ وہ ہمیشہ میز کرسی پر ہی کھانا کھاتے ہیں۔ اب اگر اپنے گھر میں کوئی انگریز زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگ جائے تو اس کے سب دوست اور رشتہ دار کہنے لگ جائیں گے کہ یہ وقار کے خلاف فعل ہے۔ یا یہ کہیں گے یہ اس کی شان کے خلاف فعل ہے اور انہی معنوں میں یہ لفظ عام طور پر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں اِس لفظ کو استعمال نہیں کرتا میں بھی اسے استعمال کرتا ہوں کیونکہ ہمارے ملک میں اب یہ محاورہ ہو گیا ہے کہ جب کوئی بات ناپسندیدہ ہو اور دوسرے کو اس سے روکنا ہو تو کہہ دیا جاتا ہے یہ بات وقار کے خلاف ہے۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانہ میں مَیں ایک دفعہ لاہور گیا۔ اُن دنوں میں تُرکی ٹوپی پہنا کرتا تھا قادیان میں اُس وقت دُکانیں بہت تھوڑی تھیں اور سودا ان میں بہت کم ہوتا تھا۔ اتفاقاً ایک دفعہ میرے سر کے مطابق ٹوپی نہ ملی میں لاہور چلا گیا کہ ٹوپی بھی خرید لاؤں گا اور دوستوں سے بھی مِل آؤں گا، سیر بھی ہو جائے گی۔ جب میں واپس آیا تو گو حضرت خلیفہ اوّل سے میں پوچھ کر ہی لاہور گیا تھا مگر آپ نے مجھ سے دریافت کیا میاں! لاہور کیوں گئے تھے؟ میں نے عرض کیا میں لاہور ٹوپی خریدنے کیلئے گیا تھا۔ میرا جواب سن کر آپ بڑی حیرت اور تعجب سے فرمانے لگے "ترکی ٹوپی لینے کیلئے"۔ پھر فرمایا یہ تمہاری شان اور وقار کے خلاف ہے کہ تم خود تُرکی ٹوپی لینے جاؤ۔ پھر حضرت خلیفہ اوّل فرمانے لگے میں نے تو کبھی بازار سے سَودا نہیں خریدا۔ غرض حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی عادت کے لحاظ سے بازار سے سَودا خریدنا بھی وقار کے خلاف تھا۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تاریخ میں کئی جگہ آتا ہے کہ آپ بازاروں میں جاتے، سَودا خریدتے اور دُکانداروں کی نگرانی بھی کرتے۔ تو اس زمانہ میں اپنی عادات کی وجہ سے بعض تبدیلیوں کو ہم ناپسند کرتے اور انہیں خلافِ وقار قرار دے دیتے ہیں گو شرعاً ہم انہیں جائز ہی سمجھتے ہوں۔ چنانچہ دیکھ لو صحابہؓ کے متعلق احادیث اور تاریخ میں کئی جگہ ذکر آتا ہے کہ ان میں سے بعض کے پاس

کُرتے نہیں ہوتے تھے، سروں پر پگڑیاں اور ٹوپیاں بھی نہیں ہوتی تھیں حتّٰی کہ پاؤں میں جوتی بھی نہیں ہوتی تھی صرف تہبند انہوں نے باندھا ہؤا ہوتا اور وہ اسی طرح آدھا دھڑ ننگا کئے اور ننگے سر بازاروں میں جاتے اور کوئی اِسے وقار کے خلاف نہ سمجھتا مگر اب کوئی غریب آدمی بھی مسجد میں ننگے سر آجائے تو سارے اُس کے پیچھے پڑ جائیں گے اور کہیں گے کہ یہ وقار کے خلاف بات ہے۔ تو دراصل ہمیں بعض چیزوں کی عادت ہو چکی ہے جس کی وجہ سے ہم برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کے خلاف کوئی کام کرے۔

میں اس بحث میں نہیں پڑتا کہ یہ عادات بُری ہیں یا اچھی لیکن اصولاً اِس وقت اِس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بعض عادات اچھی ہیں اور بعض بُری۔ اس لئے بعض جگہ اس لفظ کا عام مفہوم بھی درست ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ غلط ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بیوہ کا نکاح لے لو۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بیوہ عورتوں کا نکاح کرنے میں کوئی ہتک نہیں سمجھی جاتی تھی خود رسول کریم ﷺ نے اپنی بیوہ لڑکیوں کی شادیاں کیں اور آپ کی ایک نواسی تو متعدد بار بیوہ ہوئیں اور متعدد بار ہی ان کی شادی ہوئی۔ مجھے اِس وقت صحیح یاد نہیں مگر غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی جن کا نام سکینہ تھا جہاں تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے وہ سات بار بیوہ ہوئیں اور سات دفعہ ہی اُن کی شادی ہوئی۔ اسلامی دستور کے مطابق ان کا یہ فعل کوئی شخص بھی بُرا نہ سمجھتا تھا بلکہ اسے مستحسن سمجھتے تھے۔ مگر ہمارے ملک کا اب یہ حال ہے اس کا اس مثال سے پتہ چل سکتا ہے کہ میں نے ایک دفعہ ایک سیّد نوجوان سے کہا کہ تمہاری بہن بیوہ ہے اس کی شادی کرا دو۔ اس نے نہایت ہی حیرت واستعجاب سے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا آپ کیا بات کہتے ہیں؟ میں نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ تمہاری بہن بیوہ ہے اس کی کہیں شادی کرا دو۔ اُس نے جواب دیا آپ تو میری ہتک کرتے ہیں۔ میں نے کہا جس خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ کو عزت حاصل ہے اُن کی تو بیوہ لڑکیوں کی شادی کرنے سے ہتک نہ ہوئی اور آپ کی اس سے ہتک ہو جاتی ہے؟ تمہاری عزت آخر اسی وجہ سے ہے کہ تم محمد ﷺ کی بیٹی کی اولاد ہو مگر محمد ﷺ کی بعض بیٹیاں بیوہ ہوئیں اور آپ نے اُن کی دوسری شادیاں کیں۔ پس تمہاری دادی جو رسول کریم ﷺ کی بیٹی تھیں اُنہیں کون سی زائد خصوصیت حاصل ہے کہ ان کی اولاد کی بیواؤں کی شادیاں نہیں ہونی چاہئیں۔ آخر

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد ہی عزت کے قابل ہے۔ اگر آپ نے اپنی ایک بیوہ بیٹی کی بھی شادی کی ہے تو دوسری بیٹی کی نسل میں سے کوئی شخص اپنی بیوہ بہن یا لڑکی کی شادی کیوں نہیں کرسکتا مگر میرا یہ جواب ان کی سمجھ میں نہ آیا اور وہ یہی کہتے رہے کہ یہ ہتک ہے میں اسے کس طرح برداشت کرسکتا ہوں۔ اب یہ موجودہ زمانہ کے بڑے خاندانوں میں وقار کے خلاف بات سمجھی جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی اپنی کسی عزیزہ کی دوبارہ شادی کردے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کوئی بات وقار کے خلاف نظر نہیں آتی تھی۔

اِسی طرح اور ہزاروں باتیں ہیں جو عرب میں اس وقت رائج تھیں مگر آج ہمارے زمانہ میں اگر وہی باتیں کی جائیں تو سب لوگ انہیں وقار کے خلاف سمجھنے لگ جائیں۔ اِس کی وضاحت کیلئے ایک اور مثال بھی دے دیتا ہوں۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ بڑے بڑے صحابہؓ جب جنگ میں جاتے تو اشعار پڑھتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شعر سنتے اور اُنہیں داد دیتے لیکن ہمارے زمانہ میں اگر کوئی معزز شخص شعر پڑھنے لگ جائے تو سب کہنے لگ جائیں گے کہ یہ وقار کے خلاف بات ہے حالانکہ تاریخ سے صاف طور پر نظر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنگ پر تشریف لے جاتے تو صحابہؓ ایسے اشعار پڑھتے جن میں لوگوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں جانیں دینے کی ترغیب دی جاتی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایسے اشعار سُن کر اُن کی تعریف کرتے اور کوئی شخص اسے وقار کے خلاف نہ سمجھتا۔ لیکن اِس زمانہ میں وہی بات وقار کے خلاف سمجھی جاتی ہے حالانکہ صحابہؓ میں ہمیں یہ بات دکھائی دیتی ہے بلکہ صحابہؓ تو الگ رہے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں بعض اشعار گائے جاتے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں مزامیر سے روکا ہے وہاں گانے یا بعض قسم کے باجوں کی اجازت بھی دی ہے۔ چنانچہ شریفانہ اشعار کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں پڑھا جانا ثابت ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعض عورتوں سے گانا سُن رہی ہیں وہ پیشہ ور گانے والی عورتیں نہیں تھیں جنہیں اسلام نے ناپسند کیا بلکہ محلّہ کے معزز گھرانوں کی بہو بیٹیاں یا بیویاں تھیں اور وہ بعض دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر گاتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فعل کو ناپسند نہیں کیا بلکہ ایک دفعہ عورتوں کے گانے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ

پر ناراضگی کا اظہار کیا تو رسول کریم ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا اِس میں کوئی حرج نہیں ۔ مگر آج کسی گھر میں کوئی شریف عورت گا تو جائے تم دیکھو لوگے کہ باوجود حدیثیں پڑھنے کے، باوجود تاریخی واقعات سے آگاہی رکھنے کے گھر گھر یہ چرچا ہوتا ہے کہ نہیں کہ فلاں عورت تو بڑی بُری ہے وہ تو خوش اِلحانی سے شعر پڑھتی ہے ۔ گویا لوگ اب صرف اتنا سمجھتے ہیں کہ میراثنیں اور ڈومنیاں ہی گا سکتی ہیں شرفاء کا حق نہیں کہ وہ گائیں ۔ مگر ہندوستان سے باہر نکل کر انگلستان چلے جائیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ معزز سے معزز گھرانوں کی عورتیں گاتی ہیں، جرمنی چلے جائیں تو وہاں بھی یہی نظر آتا ہے، فرانس چلے جائیں تو وہاں بھی یہی دکھائی دیتا ہے اور پھر شریعت پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اس قسم کے گانے سے منع نہیں کیا پھر کیا وجہ ہے کہ یہاں تو اِس قسم کا گانا عیب سمجھا جاتا ہے مگر انگلستان وغیرہ میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا ۔ وہاں لوگ اس قسم کے گانے گانے کی تائید میں دلائل بھی دیں گے، اس کی خوبیاں بھی بیان کریں گے، اس کی ضرورت بھی واضح کریں گے ۔ یہ فرق صرف اس لئے ہے کہ اب ہندوستان کے مسلمانوں میں اس کے خلاف عادت پڑ گئی ہے اور یورپ کا طریقِ عمل اس عادت کے خلاف ہے ۔

پس وقار کے معنے درحقیقت ہمارے ملک کے استعمال کے لحاظ سے یہ ہیں کہ جو میں کہتا ہوں اُس کے خلاف نہ کیا جائے گویا ہمارے ملک میں وقار کے لفظ کے ماتحت ایک انسان دوسروں پر حکومت کرنا چاہتا ہے مگر اس حکومت کو منوانے کیلئے وہ یہ نہیں کہتا کہ چونکہ مَیں یُوں کہتا ہوں ایسا مت کرو کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں نے کہا ایسا مت کرو تو دوسرا آگے سے جواب دے گا کہ تُو کون ہوتا ہے مجھے حکم دینے والا ۔ اس لئے وہ اپنی بات کو مؤثر کرنے اور لوگوں پر رُعب ڈالنے کیلئے یوں کہہ دیتا ہے کہ یہ بات وقار کے خلاف ہے اس لئے ایسا نہ کرو اور دوسرا آدمی جو اس سے کمزور طبیعت کا ہوتا ہے فوراً شرمندہ ہو جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے کہ اوہو! جب یہ بات ہے تو میں اَب اسے نہیں کروں گا ۔ انسانی طبیعت پر اس قسم کا اثر کہ وہ بعض باتوں کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند خاندانوں کے رسم و رواج کی وجہ سے ہوتا ہے، قوموں کے تغائر کی وجہ سے ہوتا ہے، خاص خاص مذاہب کی مختلف تعلیمات کی وجہ سے ہوتا ہے اور ان تمام تأثرات کی وجہ سے جو اثر انسان کی طبیعت پر پڑے اسے لوگ وقار کہتے ہیں ۔ اس کے مطابق جب تک لوگ کام کرتے

ہیں دوسرے کہتے ہیں یہ بڑے باوقار ہیں لیکن جب ان کے خلاف چلا جائے تو کہہ دیتے ہیں یہ وقار کے خلاف کام کرتے ہیں۔ پس اس محاورہ کے استعمال کے لحاظ سے وقار کو نہ تو ہم ثواب کا موجب کہہ سکتے ہیں اور نہ عذاب کا باعث، نہ اسے اچھا کہہ سکتے ہیں نہ بُرا، جب یہ اچھے معنوں میں استعمال ہوگا تو ہم کہیں گے اچھا ہے اور جب بُرے معنوں میں استعمال ہوگا تو ہم کہیں گے بُرا ہے لیکن جن معنوں میں قرآن کریم نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے ان کے رو سے یہ ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے۔

یاد رہے کہ وقار کے معنے عربی زبان میں بوجھ کے ہوتے ہیں اور اس سے سکون کا مفہوم لیا جاتا ہے کیونکہ بوجھل چیز ملتی کم ہے۔ دوسرے معنے وقار کے عقلمندی اور دانائی کے ہوتے ہیں تو اصولی طور پر وقار کے دو معنے بن گئے ایک سکون کے معنے دوسرے عقلمندی اور دانائی کے۔ ہمارے ملک میں جب یہ لفظ استعمال ہوتا ہے تو سکون کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ انگریزی میں کنزرویٹونس (Conservativeness) کہتے ہیں۔ لوگ عام طور پر کنزرویٹو پارٹی کو جانتے ہیں اس کے معنے بھی سکون ہیں یعنی ایسی پارٹی جو کہتی ہے ہم اپنے آباء واجداد کے طریق کو یونہی نہیں چھوڑ سکتے بلکہ ہم اپنے مقام پر کھڑے رہیں گے ہاں جب کوئی واضح غلطی نظر آئی تو اسے چھوڑ دیں گے محض بعض اچھے اصول کو دیکھ کر ہم اپنی باتوں میں تبدیلی کرنے کیلئے تیار نہیں بلکہ تجربہ کے بعد تبدیلی کریں گے اور جب تک تجربہ نہ ہو اُس وقت تک باپ دادوں کی راہنمائی ہمارے لئے کافی ہے۔ اس قسم کی پارٹی کو کنزرویٹو پارٹی کہتے ہیں جس کا اردو میں ترجمہ قدامت پسند کیا جاتا ہے اور اِسی کو سکون کہا جاتا ہے اور وزن اور بوجھ کے بھی یہی معنے ہوتے ہیں کیونکہ اس سے سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

پس وقار کے ایک معنے عادات کی اِتّباع میں سکون پیدا کرنے کے ہیں اور دوسرے معنے عقلمندی اور دانائی کے ہیں۔ دوسرے معنوں پر غور کرنے اور ان کی تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت کے لحاظ سے موقع اور محل کے مطابق کسی صحیح غرض اور مقصد کے ماتحت کام کرنا وقار کہلاتا ہے اور جب کوئی شخص بے موقع اور بے محل کام کرے تو اسے عدمِ وقار کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں وقار کا لفظ انہی دوسرے معنوں میں استعمال ہؤا ہے کیونکہ پہلے معنے گو معیوب نہیں

مگر خدا تعالیٰ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ساکن ہے اللہ تعالیٰ کیلئے کون سی قدامت ہے کہ ہم ان معنوں میں اُس کے متعلق وقار کا لفظ استعمال کرسکیں۔ انسانوں کیلئے تو بیشک ایک قدیم خیال ہوسکتا ہے اور ایک جدید لیکن اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے اس کیلئے خاندانوں یا قوموں کی رسم ورواج کا کون سا سوال ہے کہ سکون کا لفظ اس کے متعلق استعمال کیا جاسکے۔ اُس کے متعلق وقار کے یہی معنے ہوں گے کہ وہ موقع اور محل کے مطابق کسی غرض اور حکمت کے ماتحت کام کرنے والا ہے اور جب خدا تعالیٰ کے متعلق وقار کا لفظ ان معنوں میں استعمال ہوا ہے تو ایک مسلمان بھی جب اس لفظ کا استعمال کرے گا تو انہی معنوں میں استعمال کرے گا۔

پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کو باوقار ہونا چاہئے تو اسلامی نقطہ نگاہ کے ماتحت اس کے یہی معنے ہوں گے کہ انسان کو موقع اور محل کے مطابق عقلمندی اور دانائی سے کام کرنا چاہئے۔ اب وقار کے ایک معنے معیّن ہوگئے اور اس کے معنوں کا ابہام دور ہوگیا اور ہمیں معلوم ہوگیا کہ باوقار اسے کہتے ہیں جو عقل اور سمجھ کے ماتحت موقع اور محل کی رعایت مدنظر رکھتے ہوئے ایسا کام کرے جس میں کوئی حکمت اور فائدہ ہو اور بے وقار اُس شخص کو کہیں گے جو ایسے افعال کا مرتکب ہو جو حکمت اور فائدہ سے خالی ہوں اور جو موقع اور محل کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے خلافِ عقل اور خلافِ دانش ہوں۔ اس تعریف کے لحاظ سے وہ مثالیں جو میں پہلے دے آیا ہوں اگر ان کو دیکھا جائے تو فوراً پتہ لگ جائے گا کہ ان میں بیان کردہ وہ کون سے فعل وقار کے مطابق ہیں اور کون سے فعل وقار کے خلاف ہیں۔ ایک عورت جو گھر میں رہ سکتی ہے، جو عورت برقعہ بنا سکتی ہے اور برقعہ پہن سکتی ہے وہ اگر کسی موقع پر بغیر کسی خاص ضرورت کے اپنا نقاب اُٹھا دیتی ہے تو چونکہ اس نے پردہ اُتارا حالانکہ وہ پردہ کرسکتی تھی اور چونکہ قرآن مجید نے حکم دیا تھا کہ جو عورت اپنی زینت کے مقامات کو چھپا سکتی ہے وہ چھپائے اور اُس نے باوجود زینت کے مقامات چھپانے پر مقدرت رکھنے کے زینت کا مقام نہیں چھپایا اس لئے کہا جائے گا کہ وہ عورت بے وقار ہے اور اُس کا یہ فعل وقار کے خلاف ہے۔ لیکن ایک زمیندار عورت جو برقعہ نہیں بنوا سکتی جو اپنی ضروریات کے لحاظ سے برقعہ نہیں پہن سکتی اور جو اِس بات پر مجبور ہے کہ وہ اپنے لئے اور اپنے بچوں کیلئے رزق کمانے کیلئے اپنے خاوند کے ساتھ کھیتی پر جائے اور کام میں اُس کا ہاتھ بٹائے اس کیلئے اتنا ہی کافی

ہے کہ وہ گھونگھٹ نکالے اور کام کرتی پھرے اور اس کا ایسا کرنا عین وقار ہوگا۔ پس وہی چیز جو ایک برقعہ پوش امیر عورت کیلئے بے وقاری کا موجب ہے وہ ایک زمیندار عورت کیلئے بے وقاری کا موجب نہیں بلکہ وقار کا موجب ہے اس لئے نہیں کہ وہ عادت کے خلاف کام کرتی ہے بلکہ اس لئے کہ ایک امیر برقعہ پوش عورت کام کیلئے اور کئی وسائل اختیار کرسکتی ہے اور اپنی زینت کے مقامات کو بھی چھپا سکتی ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو شریعت اس پر الزام رکھتی ہے کہ اس نے کیوں اپنا نقاب اُٹھایا لیکن ایک غریب زمیندار عورت پر اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا [۲] کے مطابق کوئی الزام نہیں آئے گا کیونکہ وہ مجبور ہے کہ باہر جا کر اپنے خاوند کے ساتھ کام کرے۔

پس ایک نقاب کا اُٹھا دینا حکمت کے خلاف ہے اور دوسری کا برقعہ پہننا حکمت کے خلاف ہے ہاں اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ گھونگھٹ نکالے کیونکہ کھیت پر کام کرنے میں گھونگھٹ اس کے کام میں روک نہیں بن سکتا لیکن اگر وہ کسی وقت گھونگھٹ بھی اُتار دیتی اور ننگے سر پھرنے لگتی ہے تب ہم اس کے متعلق بھی کہیں گے کہ اُس کا یہ فعل وقار کے خلاف ہے کیونکہ گھونگھٹ اتارنے کی اسے کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ گھونگھٹ اُتارنے کا وہ کوئی موقع اور محل تھا۔

پھر شریعت نے ظاہری پردہ سے زیادہ اندرونی پردہ پر زور دیا ہے اور کسی عورت کو یہ اجازت نہیں دی کہ وہ اپنی کسی بہن یا بیٹی یا سہیلی کے سامنے ننگی ہو لیکن اگر کوئی عورت اپنی بیٹی یا بہن کے سامنے پیشاب کرنے بیٹھ جاتی ہے تو چونکہ اُس کا یہ فعل عقل و سمجھ کے خلاف اور موقع و محل کی رعایت سے عاری ہوگا اِس لئے ہم کہیں گے کہ وہ عورت بے وقار ہے لیکن وہی عورت اپنی مجبوری کے ماتحت جب اسے درد زِہ ہوتا ہے اور بچہ جننے کا وقت قریب آتا ہے تو دانا دائی یا واقف کار معالج کو بلاتی اور اس کے سامنے ننگی ہو جاتی ہے اور کوئی نہیں کہتا کہ یہ فعل وقار کے خلاف ہے۔ تو حکمت کے ماتحت کام کرنا وقار ہوتا اور بغیر کسی حکمت کے کام کرنا بے وقاری کہلاتا ہے۔ اب دیکھ لو قرآن کریم میں وقار کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کہتے ہیں اے میرے ربّ! میں نے اس قوم کے سامنے کھول کھول کر اپنی باتیں پیش کر دیں، میں نے اس خیال سے کہ شاید دوسرے لوگوں کے سامنے انہیں میرے منہ سے نصیحت کی بات سن کر تکبر میں اپنی عزت کا خیال نہ آجائے اور یہ نہ کہہ دیں کہ ہماری ہتک ہوگئی علیحدگی میں بھی انہیں باتیں سمجھائیں

اور میں نے انہیں ایسی باتیں نہیں کہیں جو اِن کیلئے بوجھل ہوں اور جن پر عمل کرنے سے انہیں تکلیف ہو بلکہ میں نے اُنہیں یہی کہا کہ اپنے ربّ سے معافی مانگو یہ نہیں کہا جیسا کہ پادری کہتے ہیں کہ میرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے ان کے متعلق معافی طلب کرو بلکہ میں نے انہیں کہا کہ تم دنیا کے کسی انسان کے سامنے نہیں بلکہ عالم الغیب خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرو اور یہ اقرار کوئی مُضِرّ بھی نہیں کیونکہ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا وہ خدا ایسا ہے جو گناہوں کو بہت بخشتا ہے۔ پس اگر تم گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کرو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا اور خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ پھر میں نے انہیں کہا کیا تم دیکھتے نہیں کہ باوجود تمہارے گناہوں کے اللہ تعالیٰ آسمان سے کثرت سے تمہارے لئے بارشیں نازل کرتا ہے اور اُس نے تمہیں بیٹے دیئے ہیں، مال دیا، باغات دیئے ہیں نہریں دی ہیں، جب وہ تمہارے گنہگار رہونے کی حالت میں تم سے اتنا سلوک کرتا ہے تو اگر تم توبہ کرلو گے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہو گے تو سوچو تو سہی کہ خدا تم سے کیسا اچھا معاملہ کرے گا، جب تم اس کی رضامندی کیلئے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ اس کے غضب کو اپنے اوپر بھڑکاتے ہو اور وہ تمہاری اس حالت کے باوجود تم پر اس قدر فضل کرتا ہے تو جب تم اسے خوش کرلو گے تو وہ تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کرے گا۔ پھر وہ کہتے ہیں میں نے ان کے سامنے یہ بات بھی پیش کی کہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا آخر تم جو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے تو اسی لئے نا کہ سمجھتے ہو کہ ہم سے کوئی سوال جواب نہ ہوگا اور نہ ہم مرکر دوبارہ اُٹھائے جائیں گے یہی دنیا کی زندگی ہے جس میں ہمارا کام ہے کہ کھائیں اور پیئیں اور عیش اُڑائیں خدا کو اِس سے کیا غرض کہ ہم دنیا میں کیا کرتے ہیں اور آیا اس کی عبادت بھی کرتے ہیں یا نہیں مگر مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تم کو کیا ہوگیا کہ تم خدا تعالیٰ کے متعلق یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ باوقار ہے۔ یعنی ہر کام حکمت کے ماتحت کرتا ہے اور موقع اور محل کے مطابق کرتا ہے۔ اور کیوں یہ خیال کرتے ہو کہ اس نے تم کو یونہی بغیر کسی مقصد اور مدعا کے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ اپنے اس دعویٰ کی کہ خدا تعالیٰ کا بندوں کو پیدا کرنا بغیر حکمت کے نہیں ہوسکتا یہ دلیل دیتے ہیں کہ وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا خدا تعالیٰ نے تم کو مختلف حالتوں اور ھیئتوں میں پیدا کیا ہے۔ یعنی اوّل تو انسانی پیدائش ایک وسیع قانون کے ماتحت ہے، باریک ذرّات سے اس نے سب دنیا کو جوڑا، پھر ادنیٰ حالت

سے ترقی دے کر زمین کو قابلِ نشونما بنایا، پھر اس میں سے سبزیاں نکالیں، پھر جانور پیدا کئے، پھر انسان کو اس سے ترقی دے کر پیدا کیا، پھر انسانی دماغ کو ترقی دے کر کامل بنایا، اب اس قدر وسیع قانون اور نظام کے ماتحت پیدا ہونے والے انسان کی نسبت تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ اس کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کا کوئی مقصد ہی نہ تھا۔ دوسری دلیل تجربہ کی دی کہ علاوہ ھیئتوں کے اختلاف کے انسانوں کی حالتوں میں بھی اختلاف ہے ہر نیک اور بد عمل کا بدلہ ظاہر یا مخفی طور پر اس دنیا میں ملتا ہؤا نظر آتا ہے اور جب یہ نظارہ ہر جگہ نظر آرہا ہے تو تم کیونکر کہہ سکتے ہو کہ انسان کو بلا مقصد پیدا کیا گیا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے جزاء وسزا ایک خاص حد تک نازل ہو رہی ہے تو پھر قانونِ قدرت کے اس ظہور کی موجودگی میں انسانی پیدائش کو عبث کیونکر کہا جاسکتا ہے اور تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ کا یہ فعل جو اتنے لمبے عرصہ سے جاری ہے اور جس کی ہر زمانہ میں نگرانی کی جارہی ہے محض ایک کھیل ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ کیا تم اپنی طرف اور کارخانۂ عالَم کی طرف نہیں دیکھتے کیا یہ سب کچھ اتفاق کے نتیجہ میں پیدا ہو گیا ہے؟ اطوار کی پہلی دلیل کے ماتحت انسان کہہ سکتا تھا کہ یہ سب کچھ اتفاق ہے جیسے آجکل سائنسدن کہتے ہیں کہ دنیا کا پیدا ہونا ایک اتفاقی امر ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک بعض باتوں میں اتفاق ہوسکتا ہے لیکن کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس دنیا میں لاکھوں کروڑوں ستارے ہیں اور یہ سب کے سب طباقاً ہیں یعنی ایک قانون کے ماتحت چل رہے ہیں۔ کبھی اتفاق بھی ایک قانون کے ماتحت ہؤا کرتا ہے۔ اب اِس وقت جمعہ میں اتنے آدمی بیٹھے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب اتفاقی طور پر آکر بیٹھے ہیں۔ ہر شخص جو اِس اجتماع پر نظر ڈالے گا وہ یہی کہے گا کہ کوئی خاص بات ہے یا کوئی خاص دن ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اس طرح اکٹھے ہو کر بیٹھے ہیں اور اگر کوئی غیر مُسلم ہم سے پوچھے تو ہم اُسے بتا دیں گے کہ آج جمعہ ہے جو ہماری عبادت کا دن ہے اور ہم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اِس امر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کارخانۂ عالَم پر نگاہ ڈالو سارے کے سارے کو تم طباق پاؤ گے یعنی ایک مطابقت سب میں دیکھو گے اور ہر چیز میں ایسی مطابقت کا پایا جانا قانون پر دلالت

کرتا ہے اتفاق پر دلالت نہیں کرتا۔ اب دیکھو اِدھر انسان دنیا میں پیدا کیا گیا اور اس کے چہرہ پر آنکھیں پیدا کی گئیں اور اُدھر کروڑوں میل پر ایک سورج بنا دیا گیا کیونکہ آنکھ بغیر روشنی کے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر کیا کروڑوں میل پر ایک سیارہ کا بنایا جانا اور اِس غرض کیلئے بنایا جانا کہ تا انسان دیکھے اور دنیا میں کام کاج کرے اتفاقی امر ہے؟ یہ تو اتفاق مانا جا سکتا تھا کہ اِس دنیا میں انسان کی آنکھ بن گئی مگر آنکھ کے بننے کے ساتھ کروڑوں میل پر ایک سورج کا بن جانا کس طرح اتفاق ہو گیا۔ اس سے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتفاق نہیں بلکہ ایک مقتدر ہستی نے بِالْاِرادہ انہیں بنایا ہے۔ پھر انسانی زندگی کے قیام کیلئے جیسا کہ دن کی ضرورت تھی ایسا ہی رات بھی ضروری تھی اس کیلئے خدا نے تاریکی پیدا کر دی مگر اِسی کے ساتھ ہی ہلکی روشنی کی بھی انسان کو ضرورت تھی جس کیلئے خدا تعالیٰ نے سورج کے مقابلہ میں ذرا قریب کر کے ایک چاند بنا دیا جو سورج سے ہی روشنی لیتا ہے اس چاند کی روشنی سے فصلیں پکتی ہیں اور انسان کی صحت کو کئی لحاظ سے فائدہ پہنچتا ہے اب یہ اتفاق کس طرح ہو گیا کہ اِدھر آنکھ بنی اور اُدھر چونکہ وہ بغیر سورج کی روشنی کے کام نہیں دے سکتی تھی اس لئے سورج بن گیا۔ پھر یہ امر دیکھتے ہوئے کہ بعض دفعہ سورج کی روشنی کیلئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ براہِ راست نہ پڑے بلکہ چھن کر پڑے اتفاقی طور پر ایک اور سیارہ بن گیا جو رات کے وقت روشنی دینے لگا۔

غرض تمام کائنات عالَم پر جب غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا ایک قانون کے ماتحت چل رہی ہے اور اسے کوئی ہوشمند انسان اتفاق نہیں کہہ سکتا۔ پس حضرت نوح علیہ السلام یہ دلائل دے کر ان لوگوں کو بتاتے ہیں کہ تمہاری پیدائش لغو اور عبث نہیں بلکہ تمہیں ایک خاص مقصد کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے آخر تم اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہو یا نہیں سمجھتے۔ اگر سمجھتے ہو تو کیا اسی لئے نہیں کہ تم حکمت کے ماتحت کام کرتے ہو پھر جب تم اپنے متعلق یہ خیال کرتے ہو کہ تم ہمیشہ حکمت کے ماتحت کام کرتے ہو تو تم یہ کس طرح خیال کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے یہ کام حکمت کے ماتحت نہیں کیا اور اُس نے یونہی انسانوں کو پیدا کر دیا ہے۔ آخر تم بڑوں کو کیوں بڑا کہتے ہو اسی لئے کہ تم سمجھتے ہو کہ وہ سمجھدار تھے اور ان کا حق ہے کہ انہیں بڑا کہا جائے۔ پھر اگر تمہارے باپ دادا اپنے چند سالوں کے کاموں کی وجہ سے سمجھدار بن گئے اور تمہارے لئے ضروری ہو گیا کہ تم ان کے

کاموں پر اعتراض نہ کرو تو یہ کس طرح خیال کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ کا ایک دومنٹ کا کام نہیں بلکہ کروڑوں اور اربوں سال کا کام نَعُوْذُ بِاللّٰہِ لغو اور بے فائدہ ہے۔ تو وقار کے معنی قرآن کریم میں حکمت والے کام کے بیان کئے گئے ہیں گویا تمام دنیا کی پیدائش اور اس کا ایک قانون کے ماتحت چلنا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ وقار ہے یعنی وہ کوئی کام فضول، بے غرض اور بے محل نہیں کرتا بلکہ اس کا ہر کام کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے اس کے مطابق ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم جب بھی وقار کا لفظ استعمال کریں تو یہ امر اپنے مدِّنظر رکھیں کہ ہم جو کام کرتے ہیں یا جس کام کے کرنے کی لوگوں کو تاکید کرتے ہیں وہ بے محل تو نہیں کیونکہ بے محل ہونے کے لحاظ سے بھی وقار اور غیر وقار کا سوال سامنے آجاتا ہے۔

مثلاً وہی واقعہ جس کے متعلق اس دوست کے دل میں خیال پیدا ہؤا کہ وہ وقار کے خلاف ہے اس کو میں نے بھی بے وقار قرار دیا تھا اور اِس کی وجہ بھی میں نے اُسی خطبہ میں بیان کر دی تھی کہ یہ امر بتانا تو ہندوؤں کو ہے کہ مسٹر کھوسلہ نے غلط فیصلہ کیا، یہ امر بتانا تو سکھوں اور عیسائیوں کو ہے کہ ہائیکورٹ کے ایک جج نے مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کو باطل قرار دیا ہے، مگر ٹوپیاں پہن کر گھوم اپنے بازاروں میں رہے ہیں حالانکہ اپنے بازاروں میں پھرنے کا کیا فائدہ۔ پس یہ کام بے حکمت تھا، بے غرض اور بے فائدہ تھا اور ایک لغو فعل تھا جس کا ارتکاب کیا گیا مگر یہی فعل ایک اور رنگ میں اگر کیا جائے تو بالکل وقار کے مطابق ہوگا۔ دیکھو ایک شخص سمجھدار ہے وہ دوسروں کو اپنی بات بخوبی سمجھا سکتا ہے لوگ اُس کی بات سُن کر مان بھی سکتے ہیں وہ اگر کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے مثلاً اسی قسم کی ٹوپی پہن کر چل پڑتا ہے اور زبان سے اس فیصلہ کی تردید نہیں کرتا تو ہم کہیں گے اُس کا یہ فعل خلافِ وقار ہے کیونکہ جس شخص کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس فیصلہ کو دلائل سے غلط ثابت کرے وہ اگر اپنی ٹوپی پر ہائیکورٹ کے ایک فیصلہ کا ایک فقرہ لکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ اُس کا فرض ادا ہوگیا تو وہ ایک لغو کام کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص زبان سے کام نہیں لے سکتا مثلاً فرض کرو کوئی گونگا ہے وہ بول نہیں سکتا لیکن چونکہ وہ بھی چاہتا ہے کہ اس ثواب میں شریک ہو اِس لئے اگر وہ ایسا کوٹ پہن کر پھرتا ہے جس پر مسٹر کھوسلہ کے متعلق تردیدی فقرات درج ہوں تو کوئی شخص نہیں کہے گا کہ اس کا فعل خلافِ وقار ہے کیونکہ آخر ایک گونگے کیلئے بھی تو ثواب کا کوئی ذریعہ چاہئے۔

وہ اگر مسٹر جسٹس کولڈ سٹریم کے فیصلہ کو اپنی زبان سے نہیں دُہرا سکتا اور لوگوں کو یہ نہیں بتا سکتا کہ ہائیکورٹ کے ایک جج نے مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے متعلق کیا کہا تو اُس کا کوٹ پہن کر لوگوں میں پھرنا ایک بامعنی اور باغرض کام ہے جسے کوئی بھی بُرا نہیں کہہ سکتا بلکہ اگر وہ اپنی ٹوپی پر بھی اس قسم کی باغرض اور بامقصد عبارت لکھوا کر لوگوں میں جاتا ہے تو وہ یقیناً گونگا ایک مفید کام کرتا ہے۔

شاید اس موقع پر کوئی شخص اعتراض کرے کہ حضرت باوا نانک صاحب تو زبان سے اپنے عقائد کا اظہار کر سکتے تھے پھر انہوں نے چولہ کیوں بنوایا اور کیوں اُس پر عربی عبارات لکھوائیں اور کیوں اسے پہنے پھرے حالانکہ ان کی قوم عربی آیات کا مطلب نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت باوا نانک صاحب کے چولہ پہننے میں بھی حکمت تھی اور وہ حکمت یہ تھی کہ بیشک سکھ اور ہندو جن میں وہ چولہ پہن کر اپنے عقائد کی اشاعت کیا کرتے تھے عربی سے ناواقف تھے لیکن چونکہ باوا نانک ایک ایسی قوم میں کام کر رہے تھے جس میں ان کے کام کے مٹ جانے کا اندیشہ تھا اور خطرہ تھا کہ بعد میں ان کی قوم ان کے عقائد کا انکار نہ کر دے اور اِس بات کو قبول ہی نہ کرے کہ حضرت باوا نانک صاحب لوگوں کے سامنے اسلامی تعلیم پیش کیا کرتے تھے اس لئے باوا صاحب نے چولہ بنوایا۔ وہ چولہ انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں کیلئے نہیں بنوایا بلکہ بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے بنایا تھا تا ہمیشہ کیلئے وہ چولہ اِس بات پر گواہ رہے کہ باوا صاحب مسلمان تھے اور اسلامی تعلیم کی اشاعت ہی ان کا کام تھا۔ عربی میں آیاتِ قرآنیہ آپ نے چولہ پر اس لئے لکھوائیں تا چولہ کو اُن کی قوم محفوظ رکھے کیونکہ اگر وہ گورمکھی میں قرآنی تعلیم کا ترجمہ لکھواتے تو اوّل تو لوگ خیال کر سکتے تھے کہ یہ ان کے اپنے اقوال ہیں دوسرے اگر کسی کو قرآن کریم کا خیال آجاتا تو شاید چولہ کو چھپا دیتا لیکن اصل آیات کو بوجہ زبان نہ سمجھنے کے سکھوں نے کوئی آسمانی نشان سمجھا اور اسے محفوظ رکھا۔ اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے اس چولہ کو پہنا کیوں، رکھ کیوں نہ چھوڑا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ خالی رکھ ہی چھوڑتے تو ان کی قوم یہ خیال کرتی کہ شاید کسی اور کا چولہ ہو ان کے پہننے کی وجہ سے تاریخی شہادت قائم ہوگئی کہ باوا نانک صاحب اسی چولہ کو پہنتے تھے اور ان کو پسند تھا۔

غرض چولہ پر اصل عربی آیات ہونے کی وجہ سے سکھوں میں سے کسی کو اس کے تباہ کرنے کا خیال نہ آیا یہاں تک کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ آگیا اور آپ نے اس چولہ سے فائدہ

اُٹھا کر سکھ قوم کو ان کے گرو کے عقیدہ کی طرف توجہ دلائی۔ پس جو کام حضرت باوا صاحب نے کیا نہایت پُرحکمت اور باموقع اور برمحل تھا لیکن اگر اسی قسم کا چوغہ پہن کر اب میں پھرنے لگوں یا سلسلہ کا کوئی عالم اس قسم کا چوغہ پہن کر پھرنے لگے تو یہ خلافِ وقار فعل ہوگا کیونکہ جب قرآن کریم کی انہی آیتوں کو ہم لوگوں کے سامنے پیش کر سکتے اور ان کے مطالب سے انہیں آگاہ کر سکتے ہیں تو ان آیتوں کو ایک چوغہ پر لکھوا کر پہننے کا کیا مطلب۔ لیکن اگر ایک گونگا جو بول نہیں سکتا یا ایسا شخص جس میں تقریر کرنے کا ملکہ نہیں جو اَن پڑھ ہے اور لوگوں سے گفتگو کرنے میں جھجک محسوس کرتا ہے وہ اگر کہتا ہے کہ لاؤ مجھے کسی کوٹ پر قرآن کریم کی چند آیتیں جن سے سلسلہ کی صداقت ثابت ہوتی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے لکھ دو تا کہ میں اسے پہن کر لوگوں میں پھرتا رہوں اور تا اگر میں زبان سے تبلیغ نہیں کر سکتا تو کم از کم اپنے کوٹ سے ہی لوگوں کو تبلیغ کروں تو کوئی شخص اس کے فعل کو لغو یا خلافِ وقار قرار نہیں دے گا لیکن یہ فعل میرے لئے لغو ہوگا کیونکہ میں زبان سے لوگوں کو سمجھا سکتا ہوں۔

غرض میں یا سلسلہ کا کوئی اور عالم اس قسم کا چوغہ پہن لے تو یہ وقار کے خلاف فعل ہوگا لیکن اگر ایک اَن پڑھ اس قسم کا چوغہ پہنتا ہے جو زبان سے تبلیغ کرنے کا ملکہ اپنے اندر نہیں رکھتا تو اس کا یہ فعل جائز ہوگا بشرطیکہ وہ اس قسم کا چوغہ پہن کر ان لوگوں کے سامنے جائے جن کو سمجھانا اُس کے مدنظر ہے لیکن اگر وہی شخص اِس قسم کا چوغہ پہن کر اِس مسجد میں آجاتا ہے تو چونکہ اس مسجد میں اِس قسم کا چوغہ پہن کر آنے کا کوئی فائدہ نہیں اِس لئے اُس کا یہ فعل خلاف محل ہونے کی وجہ سے وقار کے خلاف ہوگا اور یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص جوتی اپنے سر پر رکھ لے یا ٹوپی پاؤں میں ڈال لے۔ جس طرح جوتی کا سر پر رکھنا یا ٹوپی کا پاؤں میں ڈال دینا خلافِ وقار امر ہے اسی طرح جب کوئی شخص اِس قسم کا چوغہ یا اس قسم کی ٹوپی پہن کر جس پر لوگوں کو متوجہ کرنے کیلئے بعض فقرات لکھے ہوئے ہوں اپنی مسجد میں آتا یا اپنے لوگوں میں ہی پھرتا رہتا ہے تو وہ وقار کے خلاف فعل کرتا ہے۔

غرض ضرورت کے مطابق بات کرنا اور دانائی اور حکمت سے کام لینا وقار ہے۔ اس تعریف کے بعد جیسی جیسی ضرورت بدلتی جاتی ہے وقار والے افعال بھی بدلتے جاتے ہیں مگر ان سب میں اصل وہی کام کرتا ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے اگر ایسا کام کیا جائے جو باموقع اور

برمحل ہو اور لوگوں کا فائدہ اس میں مدنظر ہو تو وہ وقار والا کام کہلائے گا اور اگر حکمت کو مدنظر نہ رکھا جائے تو خلافِ وقار فعل ہو جائے گا۔

غرض اچھے بھلے سمجھدار آدمیوں کا اپنے لوگوں میں ہی اس قسم کی ٹوپیاں پہن کر پھرنا جن پر بعض مختصر فقرات لکھے ہوئے ہوں جن کا مطلب بھی لوگ نہ سمجھ سکیں خلافِ وقار ہے مگر ایک کوٹ بنوا کر کسی گونگے یا اَن پڑھ کا پہن لینا تا کہ وہ اپنے کپڑوں سے ہی لوگوں کو اصل حقیقت کی طرف متوجہ کرتا رہے ایک باوقار کام ہے۔ غرض کام کے لحاظ سے، کام کرنے والے کے لحاظ سے اور موقع اور محل کے لحاظ سے وقار والے کاموں اور غیر وقار کاموں کی نوعیت بدلتی چلی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھ لو ایک راج ہے وہ کسی کا مکان بنانے کیلئے ہمیشہ گو لگاتا اور بانسوں پر تختے رکھ کر اُن پر بیٹھ کر کام کرتا ہے اور کسی کے وہم میں بھی نہیں آتا کہ اُس کا یہ فعل وقار کے خلاف ہے لیکن کسی کے مکان کے پاس اِسی طرح بانس گاڑ کر اور اس پر تختے بچھا کر اگر سلسلہ کا کوئی عالم بیٹھ جائے تو جو شخص بھی وہاں سے گزرے گا ہنسے گا اور کہے گا کیسی خلافِ وقار حرکت ہے۔ اب راج کو لوگ روز دیکھتے ہیں کہ وہ تختوں پر بیٹھ کر کام کر رہا ہے مگر کبھی انہیں خیال نہیں آتا کہ یہ وقار کے خلاف امر ہو رہا ہے اس لئے کہ ان کی فطرت اس موقع پر بولتی اور کہتی ہے کہ راج کا یہ فعل باموقع اور برمحل ہے اور اس میں بنی نوع انسان کا فائدہ ہے لیکن ایک سلسلہ کے عالم کا اس طرح بیٹھ رہنا چونکہ بالکل بے فائدہ ہوگا اس لئے سب اسے لغو اور خلافِ وقار فعل کہنے لگ جائیں گے۔

غرض وقار کے یہ بالکل غلط معنی ہیں کہ چونکہ ہمیں ایک کام کرنے یا اس کے دیکھنے کی عادت نہیں اس لئے اس کام کو جاری نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اگر ہم اس تعریف کو درست سمجھیں تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہم سلسلہ کی ترقی کے راستہ میں روکیں پیدا کرتے ہیں۔ پس اپنی عادات کے خلاف کسی کو چلتے دیکھنا بے وقاری نہیں بلکہ حکمت کے خلاف کام کرنا بے وقاری ہے۔ کوئی شخص اگر ایک مجلس میں کھڑا ہو کر ایک پاؤں پر ناچنے لگ جائے تو سب کہیں گے اسے اپنے وقار کا کوئی خیال نہیں لیکن اگر ایک اور شخص جو کسی ضرورت کیلئے دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا ہے تپتی ہوئی زمین کی گرمی برداشت نہ کر کے کبھی ایک پاؤں اٹھائے اور کبھی دوسرا تو کوئی اسے وقار کے خلاف فعل قرار نہیں دے گا۔

غرض قرآن مجید نے وقار کے معنے یہ بتائے ہیں کہ انسان حکمت عقل اور دانائی کے

ماتحت کام کرے اس میں سکون کے معنے آجاتے ہیں کیونکہ عقل اور دانائی کے ماتحت جب کوئی کام کیا جائے تو وہ جوش انسان میں نہیں ہوگا جو اُس کے عقلی توازن کو متزلزل کر دیتا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ عادات کے خلاف کام کرنا بھی بعض دفعہ وقار کے خلاف کہلا سکتا ہے اور یہ اس موقع پر ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے قومی طریق کو بِلا وجہ اور بِلا حکمت چھوڑ دے۔ مثلاً اپنے قومی لباس یا قومی تمدن کو بِلا کسی خاص مقصد یا حکمت کے چھوڑ دے تو ایسے شخص کو بھی وقار کے خلاف کام کرنے والا قرار دیں گے کیونکہ وہ بِلا وجہ ساری قوم کو اپنا دشمن بنالیتا ہے۔ اگر اس کے پاس کوئی دلیل ہو تو بے شک اس طریق کو وہ چھوڑ سکتا ہے لیکن اگر وہ بغیر کسی معقول وجہ کے اپنے قومی طریق کو چھوڑتا ہے تو وہ یقیناً لوگوں میں بِلا وجہ ہیجان پیدا کرتا ہے اور بے وقار فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگر ایک قوم فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہم نے پگڑی ہی پہننی ہے تو کسی شخص کے پگڑی پہننے میں کیا حرج ہے کہ وہ ٹوپی پہن کر اپنی قوم میں ہیجان پیدا کرے۔ جب دونوں اچھی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ جماعت کے افراد وہ چیز اختیار نہ کریں جسے سب قوم نے پسند کیا ہے۔ غرض بِلا وجہ ایسی قومی عادات کو چھوڑنا جن میں عقلاً اور شرعاً کوئی خاص نقص نہیں اور اپنے لئے قوم کے خلاف کوئی دوسری راہ تلاش کرنا بھی خلافِ وقار کام ہے کیونکہ اس سے طبائع میں بلا وجہ جوش پیدا ہوتا ہے۔

ایک دفعہ جب مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے متعلق مجھ سے مشورہ لیا گیا تو میں نے پوچھنے والوں کو انہی معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایا کہ اشتہاروں والے اپنے اشتہارات لوگوں میں وسیع طور پر پھیلانے کا یہ انتظام کرتے ہیں کہ ایک آدمی کے آگے پیچھے بورڈ لگا دیتے ہیں جس کے درمیان دو ڈنڈے لگے ہوئے ہوتے ہیں اس بورڈ پر اخبار والے اپنا اشتہار لگا دیتے ہیں اور ایک آدمی ان بورڈوں کو لے کر چکر کاٹتا پھرتا ہے۔ انگلستان میں اس قسم کے بورڈوں کو سینڈوچ بورڈ کہتے ہیں دو پھٹے آگے پیچھے ہوتے ہیں اور ان پر اُس دن کے اخبار کا خلاصہ لکھا ہوتا ہے اور ایک شخص اسے اُٹھائے پھرتا ہے۔ وہ بازاروں میں پھرتا رہتا ہے اور اس بورڈ کو پڑھ پڑھ کر لوگ اخبار خریدتے اور پڑھتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ ہم غریب ہیں اور دشمن امیر، پھر ہمارے مستقل کام ہزاروں چل رہے ہیں جن پر ماہوار ہزاروں روپیہ خرچ ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ہمارے دشمنوں کو کبھی کبھی جوش آتا ہے اور وہ بعض دفعہ بہت زیادہ روپیہ بھی اکٹھا کر لیتے ہیں لیکن

بہرحال انہیں کبھی کبھی جوش آتا ہے اور ہمارے کام ہزاروں ہیں اور پھر مستقل ہیں ایک دن کے کام نہیں کہ آج کیا اور کل چھوڑ دیا۔ بلکہ انہیں مسلسل کرتے چلے جانا ہے پھر ہم نے کسی ایک قوم کا یا ایک ملک کا نہیں بلکہ ساری دنیا کا مقابلہ کرنا ہے اگر مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے خلاف ہم ٹریکٹ شائع کریں تو دنیا میں اِس وقت دو ارب کی آبادی ہے اگر ہم ساری دنیا کو یہ بتانا چاہیں کہ ہم مظلوم ہیں اور دوسَو آدمیوں کیلئے صرف ایک ٹریکٹ رکھیں تو ہمیں ایک کروڑ ٹریکٹ شائع کرنا پڑے گا اور ایک کروڑ ٹریکٹ شائع کرنے کیلئے کم ازکم دس لاکھ روپیہ کی ضرورت ہوگی اور چونکہ ہمارے اس ایک ٹریکٹ سے مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کی تردید کی ضرورت پوری نہیں ہوگی اس لئے اور اشتہارات اور ٹریکٹ بھی شائع کرنے کی ضرورت رہے گی۔ اب جب کہ دس لاکھ روپیہ سے صرف ایک ٹریکٹ شائع کیا جاسکتا ہے تو خود ہی سوچیں ہماری غریب جماعت اس خرچ کی کہاں متحمل ہوسکتی ہے اور اگر ہم باقی دنیا کو چھوڑ کر صرف ہندوستان میں اس فیصلہ کی تردید کی کثرت سے اشاعت کریں تب بھی پچاس ساٹھ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے اور اگر صرف شہر لاہور میں اچھی طرح اشاعت کریں تب بھی سَو دوسَو روپیہ خرچ ہوجائے گا لیکن اگر ایک آدمی مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کے متعلق ہائی کورٹ کے فقرات اسی قسم کے سینڈوچ بورڈ پر لکھوا کر یا ایک پھٹے پر لکھ کر اور اسے اپنے ہاتھ میں لے کر یا سائیکل پر رکھ کر پھرتا رہے تو چار آنے کے خرچ سے وہ سارے لاہور کو آگاہ کر سکتا ہے۔ اب یہ بے حکمت کام نہیں بلکہ پُرحکمت کام ہے کیونکہ اس ذریعہ سے ہم دوسرے لوگوں تک اپنی آواز بھی پہنچادیں گے اور خرچ زیادہ نہیں ہوگا۔ پس یہ فعل وقار کے خلاف نہیں بلکہ وقار کے عین مطابق ہے۔ اگر ہم اس تشریح کو مدنظر نہ رکھیں جو میں نے کی ہے تو پھر وقار کے یہ معنی ہوں گے کہ انسان کام کاج چھوڑ کر بیٹھ جائے نہ ہاتھ ہِلائے نہ پاؤں۔ مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ کی تردید کی اشاعت کیلئے اس قسم کی اور تجاویز بھی استعمال کی جاسکتی ہیں لیکن چونکہ میرا اصل خطبہ وقار کے متعلق ہے مسٹر کھوسلہ کے متعلق نہیں اس لئے میں نے ایک مثال بتادی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ضرورتیں ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم تمام ایسے طریق اختیار کریں جو عام حالات میں یا روپیہ ہونے کی صورت میں گو وقار کے خلاف سمجھے جاسکتے ہوں مگر ہماری موجودہ حالت کے لحاظ سے ہرگز نہیں۔ اگر ہمارے پاس کافی روپیہ آجائے یا ہر شخص ہم میں سے پڑھا لکھا اور مقرر ہو تو پھر ایسے

طریق اختیار کرنا یقیناً وقار کے خلاف فعل ہوگا اور ہمارے لئے مناسب ہوگا کہ ہم انہیں چھوڑ دیں لیکن موجودہ حالات کا تقاضا بالکل اور ہے۔

یاد رکھو لوگوں کی رسوم اور لوگوں کے رواج اور لوگوں کی عادات کوئی چیز نہیں اصل چیز یہ ہے کہ ہمارا کوئی قدم اسلام کے خلاف نہ ہو اور ہمارا کوئی کام عقل و دانش اور موقع و محل کی رعایت سے خالی نہ ہو اگر اسلام اور احمدیت کی خدمت میں ہمیں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جو ہماری عادات یا رسوم و رواج کے خلاف ہو تو ہمیں اس کے اختیار کرنے سے ہچکچانا نہیں چاہئے کیونکہ ہمارا اصل کام اسلام اور احمدیت کی خدمت ہے لیکن اگر اسلام اور احمدیت کیلئے کوئی بات مُضِرّ ہے تو خواہ وہ ہمارے رسوم اور ہمارے رواج کے مطابق ہو اُس کو چھوڑنے اور ترک کرنے میں ہی برکت ہوگی۔ غرض اگر کسی بات میں اسلام کا کوئی فائدہ ہے تو ہم اسے ہی اختیار کریں گے خواہ ہمیں اُس کیلئے کتنی بڑی قربانی کرنی پڑے اور خواہ اس کو اختیار کر کے ہم دنیا کی نگاہ میں بے وقار ہی بن جائیں۔

پس سُست اور غافل مت بنو بلکہ باوقار بنو مگر ان معنوں میں نہیں کہ تم اپنے باپ دادوں کے پُرانے طریق کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہو بلکہ ان معنوں میں جن معنوں میں قرآن کریم نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے یعنی جو کام کرو وہ پُر حکمت ہو، وہ عقل کے ماتحت ہو اور تمہارا مقصد و مدعا اُس سے یہ ہو کہ لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ جب بھی تمہارے سامنے کوئی کام پیش ہو تم غور کرو کہ اس سے اسلام اور احمدیت کو فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ اگر اس سے اسلام اور احمدیت کو فائدہ پہنچتا ہو، اگر وہ موقع اور محل کے مطابق ہو، اگر وہ حکمت اور دانائی کی روح اپنے اندر رکھتا ہو، پھر خواہ اس کی کوئی شکل اور کوئی صورت ہو تمہارا فرض ہے کہ اس کام کو کرو کیونکہ وہی کام تمہارے وقار کا موجب ہے اور جو اس کے خلاف ہے اس کو مت کرو کیونکہ اس میں تمہارا وقار نہیں بلکہ بے وقاری ہے۔

(الفضل ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

۱؎ نوح: ۱۰ تا ۲۱ ۲؎ النور: ۳۲